کتاب وحکمت

حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ

بنی اسرائیل پر ۴۰ برس سایہ رہا یا بارش؟

قرآنِ کریم کی آیت ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ﴾ کی تفسیر ان دنوں بعض مفسرین نے اس طرز پر کی ہے جو تفسیر سلف کے مخالف ہے۔ چنانچہ ایک نامور مفسر آیتِ کریمہ ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ﴾ (البقرۃ:۵۷) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فی واد التیه أی أرسلنا السماء علیکم مدرارا لأن بني إسرائیل أقاموا فی واد التیه أربعین سنة فکیف یکون المراد الظل المعروف فافهم لقوله تعالی ﴿فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً﴾

''ہم (اللہ) نے جنگل میں بنی اسرائیل پر بارش اُتاری..... جو لوگ سایہ کا معنی کرتے ہیں وہ صحیح نہیں کیونکہ بنی اسرائیل جنگل میں چالیس سال ٹھہرے تو سایہ کا معنی کیسے صحیح ہوسکتا ہے اللہ فرماتا ہے ﴿فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً﴾ یعنی شام کی زمین ان پر چالیس سال حرام ہے۔''

"فکیف یکون المراد الظلّ المعروف" سے اشارہ کرتے ہیں کہ جو معنی صحابہؓ نے کئے ہیں کہ ''بنی اسرائیل بیابان میں جب گرمی سے تنگ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ابر کا ٹھنڈا سایہ کیا اور یہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا''..... وہ غلط ہیں۔

غلط ہونے کی جو وجہ بیان کی گئی ہے، اس میں دو احتمال ہیں: یا تو یہ مطلب ہے کہ بنی اسرائیل جنگل میں چالیس سال رہے تو اتنی مدت ابر کا سایہ ہونا عادۃً ناممکن ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ابر کا سایہ تو ان پر آرام کی خاطر ہوا تھا اور چالیس سال تک ابر کا سایہ رہنا باعثِ راحت نہیں بلکہ باعثِ تکلیف ہے کیونکہ کسی وقت انسان کا دل دھوپ کو بھی چاہتا ہے۔ اگر پہلا احتمال ہو تو تمام معجزات سے اِنکار لازم آئے گا کیونکہ معجزہ کہتے ہی اسے ہیں جو عادۃً ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ وہاں کثرت سے بارش ہونا، یہ بھی عادۃً ناممکن ہے کیونکہ اس ملک (مصر کے علاقہ) میں بارش نہیں ہوتی۔

اگر دوسرا احتمال ہو تو یہ بھی صحیح نہیں، اوّلاً: اس لئے کہ جن ملکوں میں بارہ مہینے گرمی رہتی ہے یا متوسط ہیں، ان میں بارہ مہینے سایہ باعثِ راحت ہے۔

ثانیاً: اس لئے کہ کسی روایت میں یہ وارد نہیں ہوا کہ سایہ تمام جنگل میں تھا۔ ممکن ہے کہ بہت جگہ دھوپ ہو بلکہ ظاہر یہی ہے کہ کیونکہ تمام جنگل میں سایہ کی کیا ضرورت تھی، صرف ان کے ڈیروں پر سایہ ہونا

www.KitaboSunnat.com

کافی تھا تو اگر کسی وقت ان کا دل دھوپ کو چاہتا تھا تو دھوپ سے یہی فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔

ثالثاً: اسلئے کہ جو اعتراض آپ سلف کی تفسیر پر کرتے ہیں، وہی اعتراض آپ کی تفسیر پر بھی ہوسکتا ہے کیونکہ جس طرح بارہ مہینے ابر کا سایہ باعثِ تکلیف ہے، اسی طرح بارہ مہینے بارش بھی باعثِ تکلیف ہے بلکہ سایہ تو انسان برداشت کرسکتا ہے، بارش کو برداشت کرنا مشکل ہے۔ اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ وقتاً فوقتاً حسب ِضرورت ان پر بارش ہوتی تھی تو یہی ابر کے سایہ کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے۔

رابعاً: اس لئے کہ بارش کے اصل فائدہ (یعنی اناج وغیرہ کا پیدا ہونا) سے تو وہ محروم تھے، اسی واسطے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ﴿لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا .....الاية﴾ یعنی ''ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کرسکتے، خدا سے دعا مانگ کہ ہمارے لئے ساگ، ککڑی، گیہوں اور مسور وغیرہ زمین سے پیدا کرے'' اگر یہ چیزیں وہاں پیدا ہوتیں تو موسیٰ علیہ السلام کو دعا کے لئے نہ کہتے اور موسیٰ علیہ السلام ان کو یہ جواب نہ دیتے کہ ان چیزوں کے لئے خدا سے دعا مانگنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ چیزیں شہروں میں مل سکتی ہیں۔ جب بارش کے اصل فائدہ سے محروم تھے تو بارش کیوں ہوتی تھی؟

اگر گرمی دور کرنے کے لئے ہوتی تھی جیسا کہ معروف ہے تو یہ بات ظاہر ہے کہ بارش کے ساتھ دو چار روز آرام رہتا ہے پھر دھوپ کی وجہ سے ویسی ہی حالت ہوجاتی ہے بلکہ زمین جب اپنے بخارات چھوڑ دیتی ہے تو تکلیف مزید بڑھ جاتی ہے۔ پھر ان دو چار روز کے آرام کے ساتھ بارش کی تکلیف کتنی ہے خصوصاً جنگل والوں کو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ابتدائی پرصعوبت حالت کو بارش کے ساتھ تشبیہ دی ہے[1] چنانچہ فرماتا ہے:

﴿اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيْهِ ظُلُمَاتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ يَّجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ﴾ (البقرۃ:۱۹) ''یا مانند بارش کے جس میں اندھیرے اور گرج اور بجلی ہے، لوگ موت کے ڈر سے انگلیاں کانوں میں رکھتے ہیں۔''

اور اگر کسی اور غرض سے ہوتی تھی تو اس کو بیان کرکے تاریخ وغیرہ سے اس کا حوالہ دے دینا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بارش کو محل احسان میں ذکر فرمایا ہے اور احسان اسی وقت درست ہوسکتا ہے جب اس کا کوئی معقول فائدہ بتایا جائے ورنہ ایسی بارش تو سوائے تکلیف کے کچھ فائدہ نہیں رکھتی۔

خامساً: اس لئے کہ اگر ان پر بارش ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام سے پانی کیوں مانگتے، جبکہ انہوں نے پانی مانگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ، الاية﴾ (البقرۃ:۶۰)

---

(۱) یہ تشبیہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں ایسی تکالیف ہوتی ہیں جیسے ابتدائے بارش میں۔ کیونکہ ابتدا میں اسلام غریب ہوتا ہے اور اس کے مددگار بہت تھوڑے ہوتے ہیں اور مخالفین زیادہ۔

www.KitaboSunnat.com

''جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کیلئے پانی مانگا تو ہم نے کہا، اپنی لاٹھی کے ساتھ پتھر کو مار''

سادساً: اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو بنی اسرائیل (یہود و نصاریٰ) تھے، ان پر یہ احسان جتلایا گیا ہے تو وہ ضرور اس آیت کا صحیح معنی سمجھے ہوں گے کیونکہ اگر وہ بھی نہیں سمجھ سکے تو ان پر احسان جتانا ہی فضول ہے۔ پس جب وہ صحیح سمجھے تو صحابہؓ کی سمجھ کو کس شے نے غلطی میں ڈال دیا۔

سابعاً(۲): اسلئے کہ صحابہؓ میں سے بہت لوگ بنی اسرائیل بھی تھے تو بنی اسرائیل کا صحیح سمجھنا گویا صحابہؓ کا صحیح سمجھنا ہے۔ اگر کہا جائے کہ صحابہؓ میں سے جو بنی اسرائیل تھے وہ تو صحیح سمجھے اور باقی غلط تو اس کی بابت عرض ہے کہ صحابہؓ سے اختلاف منقول☆ نہیں۔ [انتخاب: 'درایتِ تفسیری' از محدث روپڑیؒ ص ۱۶ تا ۲۱]

---

(۲) چھٹی اور ساتویں وجہ خاص شق ثانی کے ابطال میں نہیں بلکہ عام ہیں یعنی پہلی شق کو بھی شامل ہیں۔

☆ ایك شبه كى وضاحت: بعض لوگ ناواقفیت سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ کسی شے کا ذکر نہ ہونا اس شے کے واقع نہ ہونے کی دلیل نہیں یا کسی شے کا نہ ملنا اس شے کے واقع نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ (عدمِ ذکرِ دلیل عدمِ وجدان نہیں یا عدمِ وجدان دلیل عدمِ وقوع نہیں)۔ تو یہ کم علموں کا سا استدلال ہے کہ ایک آدھ بات سیکھ کر اس کو ہر جگہ استعمال کرتے ہیں۔

یہ مقدمہ فی نفسہا اگرچہ صادق ہے مگر اس کا استعمال اسی موقع پر کارآمد ہے جہاں بے کار شبہات اور ضعیف احتمالات کو ترجیح ہوتی ہے۔ مثلاً حدود قصاص میں ایسی صورت واقع ہوجائے تو وہاں یہ مقدمہ مفید ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اِدْرَؤُا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ (حدود کو شبہات کے ساتھ دور کرو) اور جہاں ظاہر پر عمل کیا جاتا ہے، وہاں ایسے مقدمات سے دلیل لینا نادانی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میلاد نہ رسول اللہ ﷺ نے کیا، نہ کرایا، نہ صحابہؓ نے کیا، نہ کرایا، نہ تابعین نے کیا، نہ کرایا اور نہ تبع تابعین نے کیا، نہ کرایا تو اس موقع پر کسی صاحب بدعت کو یہ کہنے کی مجال نہ ہوگی کہ عدمِ وجدان دلیل عدمِ وقوع نہیں، شائد کسی نے کیا ہی ہو مگر ہم تک نہیں پہنچا۔ اسی طرح ختم اور دیگر بدعات پر کوئی صاحب اس استدلال سے تمسک نہیں کرسکتا۔

اسی طرح مسئلہ حكم العام أن يتناول جميع الأفراد: لفظ عام سے تمام افراد مراد ہوتے ہیں جیسے ﴿يٰأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا﴾ سے تمام مراد ہیں، یہ اصول حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک متفق علیہ ہے کیونکہ اختلاف منقول نہیں۔

اسی طرح مسئلہ كل حكم يخاطب به المنكر يجب توكيده (جو شخص کسی بات سے انکاری ہو تو اگر اس کے ساتھ بات کریں تو قسم وغیرہ سے بات کرنی چاہئے۔) علماءِ معانی کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

اسی طرح یہ اصول کہ كل جملة تقع خبراً أوصفةً لا بدّ فيها من العائد اہل نحو کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

اسی طرح مسئلہ ما في البخاري ومسلم من الأحاديث اتفق العلماء على صحتها علماء کے نزدیک متفقہ ہے

اسی طرح مسئلہ خبر الواحد يجب العمل به ولا يكفر جاحده.....

اسی طرح مسئلہ كل ما أخرجه الراوي بلفظة نُهينا أو أُمرنا أوكنا نفعل والقرآن ينزل أومثل ذلك فهو فى حكم المرفوع اور اس طرح کی متعدد مثالیں بھی ہیں۔

الغرض مسائل جملہ علوم کے اتفاقی اور اختلافی ہونے کی بنیاد یہی ہے کہ جس مسئلہ میں اختلاف منقول ہے، وہ اختلافی ہے اور جس میں اختلاف منقول نہیں، وہ اتفاقی ہے۔ اگر ایسے تمام موقعوں پر اوپر درج شدہ استدلال ہی پکڑا جائے تو جملہ علوم درہم برہم ہوجائیں گے۔ (روپڑیؒ)

www.KitaboSunnat.com